تعمیر شخصیت کے ادراکی اور کرداری اجزاء

احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

☆ پروفیسر ڈاکٹر مس نسیم سحر صمد

Role of Cognitive and Behavioral Components in the Development of the Personality

The day to day interaction amongst people play a key role in shaping of a person's social character and persona. Indeed Qur'an and Hadith have treasured guidance regarding the social life of man - as to groom and equip mankind to lead a positive and constructive social life in an Islamic society.

Sociology as a discipline of knowledge borrows its roots and furnishing from the five pillars of Islam. They strengthen a man's character inwardly and outwardly - so as to allow a man to lead a peaceful and prosperous life. Islam and the principles of Qur'an advocate a social life that keeps its balance between the material and the spiritual aspect of life. It furnishes man with such qualities that he is not only successful in this life but in hereafter as well.

This article is an effort to probe the sociological perspective of Islamic teachings - and its impact upon a man's social life.

اکثر مغربی ماہرین عمرانیات (۱) کی طرح Ian Robertson بھی تعمیر شخصیت کے ضمن میں عمل معاشرت پسندی (Socialization) کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ اُفکار، احساسات اور اُعمال کو ایسے اُمور قرار دیتا ہے جو ہر ایک کی اِنفرادیت ظاہر کرتے ہیں۔ وہ شخصیت کے عناصر ترکیبی بھی بیان کرتا ہے:

The fairly stable patterns of thought, feeling and action that are typical of an individual. Personality thus includes three main elements;

☆ چیئرپرسن شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، جیل روڈ، لاہور۔

the cognitive component of thought, belief, perception, memory and other intellectual capacities; the emotional component of love, hate, envy, sympathy, anger, pride and other feelings; and the behavioral component of skills, apptitudes, competence, and other abilities.(۲)

رابرٹسن نے جن اُجزاء وعناصر کی نشاندہی کی ہے وہ بہت واضح اور آسان انداز میں شخصیت (Personality) کا تجزیہ کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور اکثر مغربی ماہرین عمرانیات کے افکار میں ان اُجزائے ترکیبی کے بارے میں اِتفاق رائے پایا جاتا ہے۔

i. اِدراکی اجزاء (Cognitive Component):

اس میں افکار، عقائد، فہم وشعور، یادداشت اور دیگر ذہانتی استعداد شامل ہوتی ہے۔

ii. جذباتی اجزاء (Emotional Component):

اس میں محبت، خوف، نفرت، حسد، ہمدردی، غصہ، فخر، مباہات اور اسی طرح کے دوسرے جذبات واحساسات شامل ہیں۔

iii. کرداری اجزاء (Behavioral Component):

اس میں مختلف مہارتیں، فطری استعداد اور صلاحیتیں، اہلیت اور اسی طرح کے دوسرے اوصاف شامل ہیں۔

رابرٹسن کے بیان کردہ ان عوامل اور عناصرِ ترکیبی کی روشنی میں ہم تقابلی مطالعہ کا آغاز کرسکتے ہیں، تاکہ ان عصری تراکیب جن کی مدتُ العمر ایک صدی سے زیادہ نہیں، کے مقابلے میں اسلامی تعلیمات جو قرآن وحدیث کے ذخیرہ پر مشتمل ہیں، کو وضاحت سے بیان کریں اور شخصیت کا وہ صحیح دینی نقطۂ نظر سامنے لاسکیں جو دنیا اور آخرت میں انسان کی سرخروئی کا باعث بنتا ہے۔ ماہرین عمرانیات ونفسیات کے جن مباحث کا تذکرہ اس ضمن میں کیا جاتا ہے اس کے مطابق ان پہلوؤں پر بالترتیب آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں جائزہ لینا سودمند رہے گا، تاکہ شخصیت کی تشکیل وتعمیر اور اس کی نشو وارتقاء کے اسلامی پہلوؤں کو واضح کیا جاسکے۔

شخصیت کے اِدراکی اُجزاء (Cognitive Components):

دینِ اسلام کی تعلیمات عین حق وصداقت، عدل واعتدال اور دنیا وآخرت کے حسین امتزاج پر مبنی ہیں۔ قرآن حکیم کا مخاطب انسان ہے۔ چنانچہ انسان کی متوازن شخصیت کی تعمیر وتشکیل قرآنِ کریم اور احادیثِ

مبارکہ کا مرکز و محور ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾(۳)

''اور بھلا کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین، باخبر ہے''

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی کے مطابق آیتِ کریمہ مذکورہ میں فعل ﴿یعلم﴾ کیلئے ﴿من﴾ فاعل کی حیثیت میں ہے اور مفعول محذوف ہے۔ بمعنی کیا خالق اپنی مخلوق کا علم نہیں رکھتا یا اس سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کیا اللہ نہیں جانتا جس نے تخلیق کیا(۴)۔

امام البیضاوی فرماتے ہیں:

أ لا یعلم السر والجھر من أوجد الا شیاء حسبما قدرۃ حکمتہ ۔ المتوصل علمہ إلى ما ظھر من خلقہ و ما بطن(۵).

یعنی ذاتِ باری تعالیٰ بحیثیت خالق اپنی تمام مخلوقات سے باخبر اور آگاہ ہے۔ وہ معدومات کا بھی علم رکھتا ہے۔ ظاہر و خفی، گویا تمام اُمور سے واقف ہے اور انسان بھی اس کی مخلوقات میں سے ہے جسے تمکن فی الارض کا اعزاز شرف و تکریم کے ساتھ عطا کیا گیا۔ لہٰذا اس مخلوق کو راہِ حق و ہدایت سے وابستہ رکھنے کیلئے عقائد و افکار کی درستگی پر بہت زور دیا تا کہ وہ کسی طور پر گمراہی کا شکار ہو کر خسرانِ مبین کا سزاوار نہ ہو جائے۔

عقائد و افکار کے ضمن میں اجزائے ایمانیات شخصیت کی تعمیر و تشکیل کی خشتِ اوّل ہیں۔ عقیدہ توحید و رسالت، کتب سماوی، ملائکہ اور حیاتِ اُخروی کا قلبی و لسانی اقرار مسلمان ہونے کی شرطِ اوّلین ہے۔ قرآنِ حکیم میں توحیدِ الٰہیہ پر ایمان اور شرک سے اجتناب کی تلقین موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تنزیہ، قدرت و ملکیت، مشیت و علمِ غیب، اس کی تحمید و تقدیس، برکت و جلال، سطوت و جبروت اور ہر مخلوق کے اللہ تبارک و تعالیٰ کیلئے مطیع ہونے کے مضامین بڑی تفصیل سے دلائل و شواہد کے ساتھ قرآنِ حکیم میں بیان کیے گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَآمِنُواْ بِاللّهِ وَرُسُلِهِ وَإِن تُؤْمِنُواْ وَتَتَّقُواْ فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾(۶)

''پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے اجر عظیم ہوگا''

سوالیہ پیرایہ میں بھی دریافت فرمایا گیا

﴿أَفِي اللّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ﴾(۷)

''کیا اللہ کے بارے میں جو زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے کوئی شک ہے''

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ﴾(۸)

''کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر اختیار رکھتا ہے اور جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور جو تمام امور کی تدبیر کرتا ہے''

اَرض وسماء کی بغیر نمونہ ومثال تخلیق کے تذکرہ کے علاوہ زمینی وسماوی اسبابِ رزق، سماعت و بصارت کی قوتوں کی ملکیت اور حیات وموت کے علاوہ تدبیرِ اُمور کائنات کو وحدانیت کے اِستدلال کے لیے استعمال کیا گیا۔ یہ وہ پہلو ہے جس سے انسان کو تفکر وتدبر کی طرف راغب کیا گیا اور حقیقتِ مطلقہ تک پہنچنے میں مدد دی گئی۔

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ ﴾(۹)

''اور کیا سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے جبکہ رسول ﷺ تمہیں اپنے رب پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور وہ تم سے میثاق لے چکا ہے''

ایمان باللہ کی ضرورت کو اس پس منظر میں بھی اجاگر کیا گیا کہ عالمِ ارواح میں عہدِ ربوبیتِ الٰہیہ قائم کرنے کے بعد دنیاوی زندگی میں اُس پر عمل پیرا نہ ہونا عہد کی خلاف ورزی اور خسرانِ مبین کی دلیل ہے۔ اس کا منفی اثر شخصیت پر ہی مرتب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کا مقصدِ حیات، خلافت وامانت کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد کے مطابق اس امانت میں نہ صرف دنیا کی ہر چیز شامل ہے بلکہ خود انسان کا اپنا نفس بھی اس کا ایک حصہ ہے۔ لہٰذا جس طرح بقیہ اشیاء کا وہی تصرّف مناسب ہے جو آقا کی مرضی کے مطابق ہو اسی طرح خود انسان کا جسم اور اس کی جان بھی خدا کی ہدایات کے مطابق استعمال ہونی چاہیے۔ وحدانیتِ باری تعالیٰ کا اقرار دراصل اسی اَمانت کی ادائیگی کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم ہے(۱۰)۔

توحید کا عقیدہ انسانی فطرت کا اِقتضاء اور اس کی روحانی تشنگی کو سیراب کرنے والا وہ سرچشمہ ہے جو اس کی شخصیت کو مثبت اور سیدھے رُخ پر ڈال دیتا ہے۔ اس 'حیّ و قیوم' ذات جس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ، جس کی بادشاہی تمام اَرض وسماء پر محیط ہے، جس کے علمِ کلّی کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اور جس کی ذاتِ برحق پر علو اور

عظمت کی تمام رفعتیں ختم ہو جاتی ہیں[۱۱]۔ ایسی ذات کا سہارا جس نے اپنے لیے رحمت کو لازم کرلیا[۱۲]۔اور جو انسان کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے[۱۳]،کو جب اپنے عقائد و خیالات کا مرکز و محور قرار دے دیا جائے تو گمراہی کے وہ تمام خدشات دور ہو جاتے ہیں، جو انسان کو ناکام و نامراد بنا سکتے ہیں۔

دین اسلام کی تعلیمات اس اُمر کا احاطہ کرتی ہیں کہ شخصیت کی نمو اور ترقی کیلئے لازم ہے کہ صراطِ مستقیم یعنی ان تمام اُحکام و اُوامر اور نواہی کی پابندی کی جائے ، جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مقرر کر دیے اور اپنے نبی آخر الزماں اور ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ کی معرفت نوعِ انسانی کی رشد و ہدایت کیلئے کتابی صورت میں نازل فرما دیے۔تمام گزشتہ انبیاء و رسل کی نبوت و رسالت اور کتب پر ایمان درحقیقت انسانی شخصیت کے فکری پہلو میں ایک تسلسل پر یقین پیدا کرنا تھا، تاکہ کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور انسان اس چشمہِ فیض سے ہدایت کا سامان اور توشۂ آخرت بلا جھجک اکٹھا کرے۔حضور پُرنور رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[۱۴]

''تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں عمدہ نمونہ ہے''

یعنی آپ ﷺ کی شخصیت کو ایک مثالی درجہ (Ideal) پر فائز کر دیا گیا، جو ہر اَفراط و تفریط سے پاک ، عدل و توازن کا حسین اِمتزاج، ہر کیفیتِ حیات کیلئے مؤثر لائحہ عمل کے ساتھ روشن اور منور، سب لوگوں کیلئے رہنمائی کا سامان لیے کھڑی ہے۔آپ ﷺ کو عطا کی جانے والی آخری کتاب قرآنِ کریم عربی زبان میں حکمتوں سے معمور، فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے مزیّن ، کلام ربّ العالمین جو کل ہدایت کا مخزن بن کر، ہر کجی اور عیب سے پاک ،تمام نوعِ انسانی کی تا قیامت رہنمائی کیلئے نازل کیا گیا۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ جل شانہ نے انسان کو احساس دلایا:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾[۱۵]

''جس نے موت اور حیات کو تخلیق کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے''

یعنی مالکِ مطلق ،قادرِ کل کے آثارِ قدرت میں سے حیات و موت کی تخلیق ہے تاکہ وہ لوگوں کے اعمال کی جانچ پرکھ کرے اور اُنہی اعمال پر ان کی جزا و سزا مرتب ہو[۱۶]۔

یہ بیان کردہ اجزائے ایمانیات، تعمیر و تشکیل شخصیت اور اس کی نشو و ارتقاء میں ازحد اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ اساسی عقائد وہ فکری بنیاد مہیا کرتے ہیں جن پر عبادات اور معاملات کا تمام نظام استحکام حاصل کرتا ہے۔ انسان کو اس کی اپنی ذات کی حقیقت و مقصدیت کے ساتھ ساتھ اپنے خالق اور دیگر مخلوقات کے ساتھ تعلق کی نوعیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ میں ہمیں ان پہلوؤں کی طرف مفید رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی مشہور حدیثِ جبرئیلؑ میں ایمان کے بارے میں آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی:

''أن تؤمن بالله، وملائكته ،و كتبه ، ورسله ، واليوم الآخر، وتؤمن بالقدر خيره و شره''(۱۷)

''کہ تو ایمان لائے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر اور تو ایمان لائے اچھی اور بری تقدیر پر''

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے:

"فقال يا معاذ! أتدرى ماحقّ الله على العباد و ما حقّ العباد على الله؟ قال قلت : الله و رسوله أعلم . قال: " فإنّ حقّ الله على العباد أن يعبدوا الله ولا يشركوا به شيئاً ، و حقّ العباد على الله [عزّ وجلّ] أن لا يعذّب من لا يشرك به [شيئاً]"(۱۸)

''ذاق طعم الإيمان، من رضي بالله ربّا، و با لإ سلام ديناً ، و بمحمدٍ ﷺ رسولاً''(۱۹)

''پس آپ نے فرمایا اے معاذ کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے، اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے، وہ کہتے ہیں میں نے کہا اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو شخص شرک نہ کرے اللہ اس کو عذاب نہ دے''

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"الإيمان معرفةٌ بالقلب و قولٌ باللّسان و عملٌ بالأركان"(۲۰)

''ایمان معرفت ہے دل کی اور اقرار ہے زبان کا اور عمل ہے ارکان کے ساتھ''

حدیث مذکورہ بالا میں اجزائے ایمانیات کی قلبی معرفت، زبانی اقرار اور ارکان اسلام پر عمل کے ذریعے اس کے

اثبات کے خارجی مظاہر کی نشاندہی موجود ہے۔ڈاکٹر محمد عثمان نجاتی انسانی شخصیت کے توازن کے ضمن میں مادی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان اعتدال کی اسلامی تعلیمات کو زیر بحث لاتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'یہ ایسا حکم ہے جو فطرت انسانی سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اور اس طور پر انسانی لذتوں کا حصول بھی نہایت اچھی شکل میں انجام پاتا ہے۔ اسلام نے جسم اور روح کے تقاضوں کے درمیان اعتدال اور توازن کا جتنا خیال رکھا ہے اس کا اندازہ کچھ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ بعض ایسے فرائض اور ذمہ داریاں جس میں انسان کو ضرر اور مشقت لاحق ہو، انہیں ترک یا مؤخر کرنے کی جازت دی گئی، مثلاً مریض اور مسافر کو رمضان کے روزوں سے رخصت دی گئی، اسی طرح حالت مرض میں اگر پانی کا استعمال نقصان کا باعث ہو تو ترکِ وضو اور استثنائی صورت تیمم کی اجازت دی گئی' (۲۱) اجزائے ایمانیات کے علاوہ ارکان اسلام کے بارے میں بھی حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

"بنی الإسلام علی خمس : شهادة أن لا إله إلا الله و أنّ محمّداً رسول اللهﷺ، وإقام الصلاة، و ايتاءِ الزّكاة و الحجّ، وصوم رمضان"(۲۲)

حدیثِ جبریلؑ میں بھی ان ارکان کی تائید موجود ہے۔

"الإسلام أن تشهد أن لا إله إلّا الله و أنّ محمّدا رسول اللهﷺ، و تقيم الصلاة، وتؤتی الزكاة ، و تصوم رمضان، و تحجّ البيت إن استطعت إليه سبيلا "(۲۳)

''اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ تو صلاۃ قائم کرے اور زکوۃ دے اور رمضان کے روزے رکھ اور اگر راستے کی استطاعت رکھتا ہو تو بیت اللہ کا حج کرے''

ارکان خمسہ عبادات، جسمانی اور مالی ہر دو اجزاء کا مرکب ہیں۔ یہ ارکانِ اسلام خارجی اور داخلی دونوں اعتبار سے تعمیر و تشکیل شخصیت اور اس کی نشو و ارتقاء میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِقرار باللہ اور عباداتِ الٰہیہ کے تمام لوازمات کو پورا کرنے سے اِیمان کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ جاہلیت کے خوگر عربوں کو بدلنے میں ایمان باللہ کا بڑا دخل ہے۔ اہلِ عرب اسلام قبول کر کے دورِ جاہلیت کے بہت سے اَخلاق و عادات سے دست کش ہوگئے اور ان کی عقلیں جہل و خرافات سے آزاد ہوگئیں اور ان کے دل ان بہت سی چیزوں کے خوف سے آزاد ہوگئے، جن سے اکثر لوگ عموماً ڈرا کرتے تھے۔ ان کے دلوں سے موت اور فقر کا خوف، مصائبِ دھر کا خوف اور لوگوں کا خوف ختم ہوگیا اور وہ امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے (۲۴)۔

لغتِ عربی میں مادہ عبد سے العبودیة : الخضوع و التذلّل (۲۵)؛ العبادة : الطاعة مع الخضوع (۲۶) خضوع اور عاجزی کیلئے مستعمل ہے۔عاجزانہ اطاعت گذاری۔معبود برحق اللہ تبارک وتعالیٰ اور عبد کے باہمی تعلق کیلئے مستعمل عبادت ☆کی یہ اصطلاح وسیع معنوں کی حامل ہے۔اور محض کسی ایک مظہر عبودیت مثلاً اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ اس کو لازم سمجھنا،اس کے مفہوم و معنی کو محدود کر دینے کے مترادف ہے۔امام ابن تیمیہ بھی اسی تناظر میں لفظ عبادت اور دین کو زیر بحث لاتے ہوئے استدلال پیش کرتے ہیں کہ دونوں قریب المفہوم والمعنی ہیں۔دین میں بھی خضوع و اِطاعت اور عبادة میں بھی تذلّل کا مفہوم مضمر ہے۔اس ضمن میں وہ تفصیلی بحث کرتے ہوئے حدیثِ جبرئیلؑ کے ان الفاظ سے بھی استدلال کرتے ہیں"هذا جبريل جاء كم يعلم دينكم "(یہ جبرئیل ہیں، جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے)،گویا یہ اِیمان، اِسلام، اِحسان یعنی کئی امور کی وضاحت پر محیط حدیثِ مبارکہ ہے جس میں ان تمام پہلوؤں کو دین کے زمرے میں شامل سمجھا گیا۔ چنانچہ تمام عقائد و ارکان اور دیگر شرعی احکامات دین کے زمرے میں ہی شامل سمجھے جائیں گے(۲۷)۔

گویا عبادت کا مفہوم کل دین پر محیط سمجھا جائے گا لیکن ظاہراً کچھ خاص اُمور یعنی ارکانِ اسلام کیلئے یہ لفظ خصوصی طور پر ان سے متعلق اور لازم سمجھا جاتا ہے۔ان عبادات کو للّٰہیت اور خضوع خشوع سے ادا کرنے کے اثرات سب سے پہلے انسانی شخصیت پر ہی مرتب ہوتے ہیں۔وہ اعتدال و توازن کی کیفیت سے مستفید ہوتی ہے۔نفس کے مجاہدہ،صبر و برداشت، مستقل مزاجی،اجتماعی ربط وضبط،طمانیتِ قلب اور روحانیت کو جلاء ملتی ہے۔ مقامی،قومی اور بین الاقوامی محاذوں پر زندگی کی سرگرمیوں کو منظم و مرتب کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں۔عقائد واَفکار صالحہ کے ساتھ ہم رنگ ہو کر یہ عبادات انسانی شخصیت کا رخ بدل دیتی ہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جب انسان اپنے ربّ کو صحیح طریقہ پر پہچان لیتا ہے اور یقین حاصل کر لیتا ہے کہ تمام چھوٹی بڑی نعمتیں اس کے ظاہر و باطن پر اسی کی طرف سے فائض ہوتی ہیں اور یہ کہ اس کا منعم جلّ شانہ 'جو اپنے انعام و اکرام سے بندوں کو سرفراز فرماتا ہے شرافت و بزرگی کے لحاظ سے تمام دوسرے محسنوں اور منعموں سے اس قدر بڑھا ہوا اور بالاتر ہے کہ انسان کیلئے اپنی محدود عقل سے اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے،تو اس کے دل میں خود بخود اپنے منعمِ حقیقی کی محبت پیدا ہوتی ہے جس کے ساتھ اس کی عاجزی و انکساری اور اس کے دل

☆ عبادت کی تصریح تشہد کی ابتدائی دعا میں بہت احسن انداز میں موجود ہے۔التحیات: یعنی تمام قولی عبادات، والصلوات: یعنی تمام فعلی و عملی عبادات، والطیبات: یعنی تمام مالی عبادات اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہیں۔

میں اپنے ربّ کی پوری تعظیم اور کامل اَدب شامل ہوتا ہے۔ جب انسان اپنے محسن و مربی کی محبت میں سرشار ہوتا ہے اور یہ محبت و دل بستگی اس کی رگ و پے اور خون میں روح کی طرح دوڑنے لگتی ہے تو وہ ایک حال کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو بے ارادہ اور بغیر استدلال فکر و نظر کے قلب پر طاری ہوتا ہے۔ راہِ محبت اور منزلِ عشق میں منطقی دلیل و برہان اور عقلی توجیہہ کا سہارا لینا کجروی اور منزل مقصود سے گمراہی کے مترادف ہے اور اس فطرت سے انحراف و اعراض ہے جو قلب کی واردات اور اَحوال کا تقاضا کرتی ہے(۲۸)۔

قلب و باطن کی صفائی، شخصیت پر ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾(۲۹) یعنی اللہ کے رنگ کی پختگی کا باعث بنتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معبودِ حقیقی کی قربت میسر آتی ہے۔ جو اس کے مقصدِ حیات اور نصبُ العین کو قریب تر کر دیتی ہے۔ ان تمام عبادات ☆ میں جو حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں وہ اس کے شعور و ادراک کی ایک خاص منہج کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اس کی شخصیت پختہ ہو کر اس کی ذہانتی اِستعداد کو مہمیز دیتی ہے۔ چنانچہ انسان اپنی آخرت کیلئے زیادہ نیکیوں کے حصول میں مستعد اور مگن ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا میں تو رہتا ہے مگر دنیا کا ہو کر نہیں رہتا۔ حیاۃُ الدنیا میں ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾(۳۰) پس نیکی کے کاموں کی طرف سبقت کرنے کا حکمِ الٰہی انسان کو سہل پسندی، تن پروری کا خوگر اور مشقت سے بھاگنے والا نہیں بناتا، بلکہ اعمالِ خیر میں سبقت اُس کی اپنی بھلائی، صلاح و فلاح کا باعث بنتی ہے، جس کے نتیجے میں اللہ کا فضل اور اس کی رضا کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔ اجتماعیت کے ساتھ وہ ربط و تعلق مستحکم ہو کر سامنے آتا ہے جو اسلامی معاشرے کی عمرانی صحت و فلاح کیلئے از حد

☆ امام ابن القیم الجوزیۃ (م: 751ھ) نے عبودیۃ کی انتہائی خوبصورت وضاحت قلمبند کرتے ہوئے تمام مخلوقات میں اسے مشترک قدر کے طور پر بھی بیان فرمایا ہے اور انسان کیلئے اس کے اختیاری پہلو کی وضاحت بھی فرمائی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

المرتبة الأولى– مشتركة بين الخلق، وهي ذلّ الحاجة و الفقر إلى الله تعالىٰ، فأهل السمٰوات و الأرض جميعاً محتاجون إليه، فقراء إليه، و هو وحده الغني [عنهم]، و كلّ أهل السمٰوات و الأرض ليسألونه، وهو لايسأل أحداً.

المرتبة الثانية– ذلّ الطاعة و العبودية، و هو ذلّ الاختيار، و هذا خاص بأهل طاعته و هو سر العبودية.

المرتبة الثالثة– ذلّ المحبة، فإنّ المحبّ ذليل بالذات، وعلى قدر محبته له يكون ذلّه له فالمحبة أسست على الذلة للمحبوب.

المرتبة الرابعة– ذلّ معصية و الجناية. فإذا اجتمعت هذه المراتب الأربع كان الذلّ لله و الخضوع له أكمل وأتمّ، إذ يذلّ له خوفاً و خشيةً، و محبةً و إنابةً وطاعةً، و فقراً و فاقة. ؛ ابن القيم الجوزية، محمد، الإمام، مدارج السالكين [(حققه: بشير محمد عيون) دمشق (سورية): مكتبة دارالبيان، ١٤٢٤ھ/٢٠٠٣م] ١/٢١٣-٢١٤

لازمی ہے اور جو اسلامی تعلیمات کا مقصود و مطلوب ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ صالح افراد کی ایسی آماجگاہ قرار پاتا ہے جو ہمہ وقت مستعد، اعلائے کلمۃ الحق کیلئے جان کی بازی لگا دینے والے اور ابطال باطل کیلئے مصروف عمل رہنے والے ہوتے ہیں۔ جن پر فخر معبودِ حقیقی اپنے معزز فرشتوں کے روبرو فرماتا ہے۔ عقائد و افکار اور عبادات پر دوام شخصیت کے ان تمام بقیہ عوامل کو متحرک کر دیتا ہے جو ادرا کی اجزاء کے حوالے سے متوازن شخصیت کا خاصہ سمجھے جاتے ہیں۔

کرداری اَجزاء (Behavioral Components):

شخصیت کے کرداری اَجزاء سے مراد یہ ہے کہ کسی فرد کے مخصوص اَطوار، طور طریق اور طرزِ عمل کیسا ہے۔ مسلّمہ اَمر ہے کہ انسان کے کردار کی تشکیل میں اس کی ذہنی و دماغی قوتوں، فطری و طبعی رجحانات، مختلف ہنر اور فنون سے رغبت اور فرد کی اپنے ماحول کے ساتھ موزونیت (Abilities,Aptitudes,Skills and Competence) کو شامل کیا جاتا ہے۔ دینِ اسلام دینُ العمل ہے۔ وہ ایسے فرد یا ایسی شخصیت کا تصور نہیں دیتا، جو جمود، ضعف اور عجز و مسکنت کا مظہر ہو، بلکہ وہ اپنے پیروکاروں میں سعی و کوشش کی اہمیت اجاگر کرتا ہے اور ان کی شخصیت کو ایسے خطوط پر پروان چڑھاتا ہے جو کارگہہِ حیات میں متحرک انداز میں اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو روبہ عمل لا سکیں۔ اپنی ذات کی نشوو ارتقا اور آسودہ حالی کے ساتھ ساتھ اپنے معاشرہ اور عمرانی ہئیت کیلئے فائدہ مند افرادی قوت کا کام دے سکیں۔ اسی تناظر میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اسلام کے عمومی طرز عمل کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ "اسلام صرف عبد اور معبود کے تعلق کی بحث پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کے بارے میں ایک جامع تصور دیتا ہے اور اس دنیاوی زندگی میں اس کی فلاح و بہبود اور خوشحالی کو ناپسند نہیں کرتا۔ اسی دنیاوی زندگی میں خوشحالی کی تلاش انسان میں جستجو پیدا کرتی ہے کہ وہ کامل انداز میں کائنات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرے اور جو کچھ سیکھ سکتا ہے سیکھے تا کہ ان سے فائدہ اٹھا سکے اور پروردگار کا شکر گزار ہو سکے"(۳۱)۔

موروثی عوامل بھی مخفی صلاحیتوں کے ہم پلہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان مخفی صلاحیتوں اور طبعی قابلیتوں کو عمرانیاتی ہیئت کے اندر نشوو ارتقاء حاصل ہوتا ہے۔ عملِ معاشرت پسندی (Socialization) کے تجربات سے گزر کر ہی انسان کو یہ اِحساس ہوتا ہے کہ اس میں موجود ذہنی و دماغی قوتوں اور دیگر رجحانات کو کس حد تک نکھرنے کے مواقع ملے ہیں۔ Knuttila کے خیال کے مطابق عملِ معاشرت پسندی (Socialization)

ایک فرد اور سوشل سٹرکچر کے درمیان لازی ربط (Essential Link) کا نام ہے اور شعبہ عمرانیات میں یہ ایک اہم ترین تصور ہے (۳۲)۔ تعمیر شخصیت میں اول الذکر یعنی فطری جبلت (Nature) کے نقطہ نظر کو انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں غالب اکثریت کی حمایت حاصل رہی۔ بیسویں صدی عیسوی میں تعمیرِ شخصیت کے اکتسابی (Nurture) نقطہ نظر کو کافی سراہا گیا۔ روسی ماہر نفسیات Pavlov کے نظریات کو امریکی ماہر نفسیات John B. Watson نے اخذ کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ انسانی طرز عمل اور شخصیت کلی طور پر لچکدار ہیں اور ان کو کسی بھی قالب میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ عصری اتفاق رائے اس پہلو پر پایا جاتا ہے کہ فطری جبلت بمقابلہ اکتسابی (Nature Vs Nurture) کی بحث بے معنی تھی۔ کیونکہ ان دو عوامل کو متقابل کھڑا کر دیا گیا جو آپس میں بہت زیادہ متعلق ہیں اور جن کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہم صرف فطری جبلت کی پیداوار نہیں ہوتے اور نہ ہی صرف اکتسابی پہلو تعمیر شخصیت میں اکیلا ذمہ دار ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فطری جبلت اور اکتسابی پہلو دونوں کے باہمی اشتراک سے انسانی شخصیت اور معاشرتی طرز عمل پروان چڑھتے ہیں۔

جبلی اور اِکتسابی بحث (Nature & Nurture) کے نتیجہ میں یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ دونوں اَجزاء کی متوازن مطابقت سے ہی ایک بہتر اور اعتدال پسند شخصیت جنم لیتی ہے۔ اگر ایک بچہ کو مناسب ماحول اور بہتر سلوک مہیا نہ کیا جائے تو وہ معاشرتی طور پر ایک اچھا فرد بننے میں ناکام رہ سکتا ہے۔ عمل معاشرت پسندی اس کرداری جزو (Behavioral Component) میں بہت اہمیت رکھتا ہے جس میں انسان کی ہر طرح کی فطری صلاحیتیں اور ثقافتی ماحول باہمدگر اِرتباط کی فضا میں شخصیت کو نکھرنے کے مواقع مہیا کرتے ہیں، یہ عالمِ رنگ و بُو جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مظہر ہے، کے اندر انسان اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو آزماتا ہے اور اجتماعی زندگی میں اپنا مقام پیدا کرتا ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم یہ بحث کر چکے ہیں کہ شخصیت کے ادراکی اجزاء میں اس کے عقائد اور اس کا فہم وشعور اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ صلاحیتیں جن عقائد اور تصورِ حیات کو اجاگر کرتی ہیں، اس کی روشنی میں ہی اس کے کرداری اجزاء شخصیت کی تکمیل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ انسان اسی نظریۂ حیات کے مطابق اپنی سعی وکوشش اور عمل کے ذریعے اپنے ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں صلاحیتوں کے استعمال، قابلیتوں کو نکھارنے اور تعمیرِ شخصیت کیلئے 'سعی' اور 'عمل' کی اصطلاحیں اپنے مخصوص مفہوم میں استعمال کی گئی ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس تمام تر سرگری کا مقصود ومطلوب صرف یہ دنیا نہیں، اعمال کو محض دنیا کے محدود نقطہ نظر سے نہیں دیکھا گیا بلکہ وہ اخروی زندگی پر بھی محیط ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ﴾ (۳۳)

(اور یہ کہ انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کے لئے اس نے کوشش کی۔ اور یہ کہ انسان کی کوشش بہت جلد دیکھی جائے گی)

امام البیضاوی اس آیتِ کریمہ مذکورہ کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ انسان کی اپنی کوشش اور عمل ملحوظ رہے گا اور کسی انسان سے دوسرے کے گناہوں کا مواخذہ بھی نہیں ہوگا اور نہ ہی ثواب ملے گا۔ بندہ کو اس کے اپنے کیے ہوئے اعمال کی جزاء ملے گی (۳۴)۔ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی کا کہنا ہے کہ ہر انسان کو صرف اس کی کوششوں کا اجر اور اعمال کی جزا ملے گی اور جو کام اس نے کئے ہی نہیں، ان کے اجر کا وہ مستحق نہیں سمجھا جا سکتا یہ اَمر اس حقیقت کا نقیب ہے کہ جزاء، اعمال کے مطابق مرتب ہوگی اور اس سے سابقہ بیان کو پورا کرتے ہوئے واضح کر دیا گیا کہ کسی ایک کو دوسرے انسان کی جگہ جوابدہی کا پابند نہیں بنایا جائے گا۔ اسی طرح اس کو صرف ان چیزوں کا اجر ملے گا جو اس نے اپنے نفس کیلئے کمائی کی ہونگی، اس میں تمام اعمالِ صالحہ اور دیگر اعمال کے ثواب کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ 'خیر' کیلئے ثواب اور 'شر' پر عقوبت وارد ہوگی (۳۵)۔

سعی و کوشش اور عمل کی ایک جہت یہ ہے جو ابھی زیر بحث آئی کہ انسان جو عمل بھی کرے گا اس کا جوابدہ اور سزاوار ہوگا اور یہ پہلو صرف دنیا تک محدود نہیں ہے، اس کی دوسری جہت یہ ہے کہ جن اعمال کی جوابدہی اور ثواب و عقوبت کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں وہ درحقیقت اس حیاۃ دُنیوی میں سرانجام پانے والے معاملات ہیں جو اس کے کردار کا مظہر ہوتے ہیں اور مختلف کرداری اجزاء کا ایک متوازن مرکب ہوتے ہیں۔ دین اسلام ترکِ لذّات کی ترغیب نہیں دیتا کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے اور نہ ہی مادیت پرستی کا شعار سکھاتا ہے۔ بلکہ وہ دنیا کی نعمتوں سے اِستفادہ کرنے کا صحیح طریقہ بتلاتا ہے کہ کس طرح ضروریاتِ زندگی کی تکمیل، احکاماتِ الٰہیہ کی روشنی میں کی جائے۔ اپنی فطری قابلیتوں، اہلیتوں، فکری اِستعداد، طبعی رجحانات اور ذہانت کو دینی تربیت کے تقاضوں کے سانچے میں ڈھال کر حیات دُنیوی کی ضروریات کی تکمیل کیلئے موزونیت اور آسودہ حالی پیدا کی جائے تاکہ وہ کردار جو شخصیت کا مظہر بن کر سامنے آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کیلئے جینے اور مرنے دو، کے رویہ کو منعکس کرنے والا ہو۔ گویا لذتوں میں منہمک ہونے کیلئے نہیں بلکہ لذتوں کی تقلیل کی نشاندہی کی گئی تاکہ غلط اَعمال کی تحریک کے مواقع کم سے کم رہ جائیں اور انسان بہتر اَعمال کی بناء پر کامیاب اور سرخرو ہو سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ﴾ (۳۶) (یہ کہ بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں)

آیتِ مذکورہ بالا میں نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ اولادِ بشر کی سعی و کوشش طرح طرح پر ہے۔ مفتی محمد شفیع

اس کی وضاحت میں تحریر فرماتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت سے کسی نہ کسی کام کیلئے سعی وعمل اور جدو جہد کرنے کا خوگر ہے۔مگر بعض لوگ اپنی جدو جہد اور محنت سے دائمی راحت کا سامان کر لیتے ہیں اور بعض دوسرے اپنی اسی محنت سے دائمی عذاب خرید لیتے ہیں (۳۷)۔آیتِ کریمہ کا مفہوم اس اُمر کی نشاندہی فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو ذہنی وفکری قوتیں،صلاحیتیں اور کام کرنے کی مختلف استعدادیں عطا فرمائی ہیں،ان کے استعمال اور صحیح مصرف سے ہی زندگی کو خوشگوار بنایا جاسکتا ہے۔ایسے علوم وفنون کی تحصیل کی جاسکتی ہے جن سے دین کی حدود و قیود کے اندر رضائے الٰہی کے مطابق تصرف کرتے ہوئے دنیوی اور اخروی زندگی کا توشہ اکٹھا کیا جائے بالعکس ان تمام تر فطری صلاحیتوں کو غلط انداز میں استعمال کرتے ہوئے اگر ایسے اعمال وقوع پذیر ہو جائیں جو حبِ دنیا،حبِ مال وجاہ کی دلیل ہوں تو وہ نہ صرف مذموم ہوں گے بلکہ اُخروی زندگی میں بھی کسی کام نہ آسکیں گے۔ علامہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ 'دنیا' لغۃً ،نزدیک کی چیز کا نام ہے اور عُرفاً مطلق اس حالت کا نام ہے جو موت سے پہلے ہے اور شرعاً ،اس حالت کا نام ہے جو مانع عن الآخرۃ ہے اور مجازاً ،ان اَموال واَمتعہ پر اِطلاق کیا جاتا ہے۔جو اس کی مانعیت کے اَسباب بن جائیں۔پس جو اَحوال خواہ از قسم اَقوال ہوں یا از قبیل اَفعال و اَعمال یا عقائد وعلوم ہوں اسی طرح جو اَموال کہ آخرت واجبۃ التحصیل سے مانع ہوں گے وہ سب دنیائے حرام و مذموم میں داخل ہیں (۳۸)۔

ان کرداری اجزاء کی نشوو ارتقاء کے نتیجے میں 'عمل' وجود پذیر ہوتا ہے اس کی اہمیت کے متعلق دینِ اسلام کا اپنا منفرد نقطہ نظر ہے۔ اسلامی تعلیمات اس حقیقت کو ذہن نشین کرواتی ہیں کہ تمام تر قابلیتیں ،فکری و ذہنی قوتیں،طبعی رجحانات،ذہانت اور آسودہ حالی کی موزونیت پیدا کرنے کا لائحۂ عمل قرآن وحدیث کی روشنی میں پروان چڑھنا چاہیئے۔صبغۃُ اللہ کے رنگ میں رنگا ہوا کہ اس سے بڑھ کر بہتر رنگ اور کوئی نہیں تاکہ جو صلاحیتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہیں وہ اعمالِ خیر کی محرک بن سکیں۔اور سیئات سے مجتنب رہنے کا سلیقہ سکھائیں۔شخصیت کے کرداری اَجزاء کی تربیت کیلئے اِسلامی تعلیمات کے چند اِمتیازی خصائص زیرِ بحث لانا ضروری ہیں جو منصۂ شہود پر آنے والے اَعمال کی معنویت اور اہمیت کو بیان کرتے ہیں،مادیت پرستانہ زندگی کے نقطۂ نظر کا ابطال کرتے ہوئے دنیا اور آخرت کے مابین ایک متوازن امتزاج کی عکاسی کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ زندگی کے اُس اِسلامی تصور سے آگاہی دلاتے ہیں جس میں دنیا کی زندگی عارضی اور فانی تو ہے لیکن اُسی کی اَساس پر اُخروی اور خلود کی حامل ابدی زندگی کا نقشہ ترتیب پاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ألـذيـن ضلّ سعيهم في الحيٰوة الدنيا و هم يحسبون أنهم يحسنون صنعاًo أولٓـئك الّـذيـن كـفـروا بايٰت ربهم و لقآئه فحبطت أعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيامة وزناً﴾(۳۹)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی میں کی ہوئی محنت ضائع گئی اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کرر ہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی نشانیوں اور اس سے ملنے کا انکار کرتے ہیں۔پس ان کے اعمال اکارت گئے پس قیامت کے روز ہم ان کے اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے''

مفتی محمد شفیع کے مطابق آیاتِ کریمہ مذکورہ اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے ہر اس فرد یا جماعت کو شامل ہیں جو کچھ اعمال کو نیک سمجھ کر اس میں جدو جہد اور محنت کرتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک ان کی محنت برباد اور عمل ضائع ہے(۴۰)۔علامہ القرطبی رقمطراز ہیں: کہ یہ صورت دواُمور سے پیدا ہوتی ہے، ایک فسادِ اعتقاد، دوسرا ریا کاری، یعنی جس شخص کا عقیدہ اور ایمان درست نہ ہو وہ کتنے ہی اچھے عمل کرے اور کتنی ہی محنت اٹھائے آخرت میں بے کار اور ضائع ہیں۔کفار کے علاوہ وہ لوگ بھی اس کے عام مفہوم سے بے تعلق نہیں قرر دیے جاسکتے، جن کے فاسد عقائد نے ان کے اعمال خراب کردیے اور ان کی محنت رائیگاں گئی(۴۱)۔

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی بھی اسی تناظر میں تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ جہل اور ناواقفیت کی وجہ سے وہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں اچھے اعمال سرانجام دیے، حالانکہ فی الواقع ان کے اعمال خسارہ پر مبنی ہوتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں سعی و کوشش اور اعمال اکارت گئے کیونکہ انہوں نے غیر شرعی باطل اَعمال کیے جو مقبول نہ ہوں گے انہوں نے ایسی مشقت اٹھائی جس میں کوئی نفع نہیں۔چنانچہ اعمال کا پھل ضائع ہوگیا اور اپنی قوتِ اختیار کو غلط استعمال کرنے پر یہ شدید ملامت وارد ہوئی(۴۲)۔

یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نازل ہونے والی آیات اور توحید کے متعلق اس کے تکوینی دلائل کا بھی انکار کرتے، آخرت میں بعث، حساب اور لقاء الٰہی کے منکر ہونے کی وجہ سے ان کے اَعمال ضائع ہوئے اور وہ خسارہ میں رہیں گے۔اپنے گمان میں وہ ان اَعمال کو اچھے شمار کرتے ہیں مگر ان اَعمال کا کوئی وزن نہیں، کوئی قدر نہیں اور نہ ہی ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے(۴۳)۔

مفسرینِ کرام کے ان مباحث سے یہ اَمر واضح ہو جاتا ہے کہ شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں اس کے کرداری

عنصر کو بھی از حد اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ قابلیتوں، ذہنی وفکری قوتوں، ذہانت اور طبعی رجحانات کی بناء پر انسان ہنر اور فنون سیکھ کر اِجتماعی عمرانیاتی ہیئت میں اپنی موزونیت ثابت کرتا ہے۔ بالعکس اگر انسان کے تعاملات منفی رجحانات کی عکاسی کرتے ہوں تو یہ انسان کیلئے بہت نقصان اور خسارہ کا معاملہ ہے کیونکہ انہی کرداری تعاملات کی بنا پر حیاتِ اُخروی میں اس کا محاسبہ ومواخذہ طے پانا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ اپنی تمام صلاحیتوں، قابلیتوں اور طبعی رجحانات کو صحیح سانچہ میں ڈھال لیتا ہے تو یہ اس کی سرخروئی کا باعث بنتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ أَرَادَ الآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُوراً﴾(۴۴)

''اور جو شخص آخرت کے ثواب کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے کوشش کرے گا اور وہ مومن بھی ہوگا، پس ایسے ہی لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی''۔

امام البیضاوی فرماتے ہیں کہ سعی وکوشش کے ضمن میں وہ اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کرتے ہوئے ایمان صحیحہ کے ساتھ جس میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں معاشریاتی تعاملات کو ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی یہ سعی مقبول اور باعثِ ثواب ہوگی(۴۵)۔ وہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت مبارکہ

﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلا ﴾(۴۶)۔

(آپ ﷺ فرما دیجئے کہ ہر فرد اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ ٹھیک راستے پر ہے)

کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ ہر انسان اپنے طریقے اور عادت کے مطابق ہدایت اور گمراہی میں اپنے حالات کی موافقت سے عمل کرتا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی روح اور اس کے احوال اس کے جسمانی مزاج کے تابع ہوتے ہیں(۴۷)۔

امام القرطبی رقمطراز ہیں کہ ائمہ سلف کے مختلف اقوال کے مطابق ﴿شاکلته﴾ سے مراد طبیعت، عادت، جبلت، نیّت، طریقہ وغیرہ ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کی اپنے ماحول، عادات اور رسم ورواج کے اعتبار سے ایک عادت اور طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ اس کا عمل اسی کے تابع رہتا ہے(۴۸)۔

امام ابو بکر الجصاص (م: ۳۷۰ھ) رقمطراز ہیں کہ اس میں انسان کو گویا تنبیہہ کی گئی ہے کہ برے ماحول، بری صحبت اور بری عادتوں سے پرہیز کرے۔ نیک لوگوں کی صحبت اور اچھی عادات کا خوگر بنے کیونکہ اپنے ماحول، صحبت اور رسم و رواج سے انسان کی ایک طبیعت بن جاتی ہے۔ اس کا ہر عمل اسی کے تابع چلتا ہے۔ امام الجصاص نے ﴿شاکلتہ﴾ کے ایک معنی ہم شکل کے بھی بیان فرمائے ہیں۔ جس کے مطابق مراد یہ ہوگی کہ ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق آدمی سے مانوس ہوتا ہے۔ نیک آدمی نیک سے اور شریر، شریر سے مانوس ہوتا ہے اور اسی کے طریقے پر چلتا ہے۔ یعنی اپنے مزاج کے مطابق مرد و عورت سے مانوس ہوتا ہے۔ لہٰذا تنبیہاً فرمایا گیا کہ بری صحبت اور بری عادات سے اجتناب کیا جائے (۴۹)۔

شخصیت کے اس کرداری پہلو کی تربیت کے اصول و ضوابط کی مختلف جزئیات کو قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے:

﴿أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى﴾ (۵۰)۔

(یہ کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت)

گویا ہر عمل کرنے والے کو اس کے اَعمال کی مکمل جزاء دی جائے گی کچھ کم نہ ہوگی اور نہ ہی مرد و عورت کے مابین کوئی فرق روا رکھا جائے گا بلکہ جزاء کے معاملے میں عدل اور مساواتِ تامّہ ملحوظ رکھی جائے گی۔

﴿فَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ﴾ (۵۱)

''پس جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اس کی محنت اکارت نہیں جائے گی''۔

گویا جو صالحات میں سے عمل پیش کرے گا اور وہ صاحب ایمان ہوگا تو اس کی سعی و کوشش کے انکار کی بجائے اس کا بدلہ دیا جائیگا اور جزاء کو ضائع نہیں کیا جائے گا اور وہ جو بھی عمل کر چکا ہوگا وہ محفوظ ہوگا۔ یہ آیۃ مبارکہ اس اَمر کی بھی دلیل مہیا کرتی ہے کہ مقبول اعمال صالحہ عند اللہ توحید و رسالت کی تصدیق اور شرائع و احکام پر عمل سے مشروط ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا﴾ (۵۲)

''جو شخص گناہ کرتا ہے تو اس کو اس کے برابر ہی بدلہ ملتا ہے''

گویا جو معصیت کا مرتکب ہوگا تو حیاتِ اُخروی میں اس کو اس کی معصیت کے برابر بدلہ دیا جائے گا۔

جو عدلِ الٰہی کا تقاضا ہے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاء فَعَلَيْهَا﴾(۵۳)

''جو شخص نیک عمل کرتا ہے سو اپنے نفس کے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے''

بے شک پروردگارِ عالم اَفراد کی جزاء، ان کے کسب کیے ہوئے اعمال پر مرتب کرتا ہے اور ان کے گناہوں اور جرائم پر عقوبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اَمر کو مؤکد اَنداز میں بیان فرمارہے ہیں کہ انسان کے ہاتھوں سرانجام پانے والا ہر عمل جو اللہ کے اَوامر کے اِتباع اور نواہی کے اجتناب پر مبنی ہے، جو وہ اپنے نفس اور اس کی مصلحتوں کیلئے کرتا ہے، پھر روزِ قیامت تمام نوعِ بشر کے رُوبرو اُن کے اعمال پیش کئے جائیں گے اور ان میں سے اعمالِ خیر اور اعمالِ شر کی جزا و سزا مرتب ہوگی جو حق اور عدل پر مبنی ہوگی۔

﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾(۵۴)

''اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہونگے اور یہ کہ ان کو اعمال کا پورا بدلہ ملے اور ان پر ظلم نہ ہوگا''۔

گویا نیکوکاروں اور بدکاروں کے درجات مقرر ہوں گے۔ عقوبت کے احوال اور قیامت کی ہولناکیاں بہت شدید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اَعمالِ خیر و شر کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ نیکوکاروں کی نیکی کا اور بدکاروں کی بدی کا ، اور ان کے ساتھ ثواب کی کمی یا عقوبت کی زیادتی کی صورت میں قطعاً کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاء وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُوراً﴾(۵۵)

(بے شک یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی)۔

نیکوکاروں کو جنت میں عطا کی جانے والی نعمتوں اور فضلِ خداوندی کا سبب ان کی عزت وتکریم اور ان کے اعمال کی جزاء کی وجہ سے ہوگا۔ ان کو اللہ تعالیٰ جزائے جمیلہ سے نوازیں گے کہ کم اعمال کی جزائے کثیر ان کی اطاعت گزاری کی وجہ سے عطا کی جائے گی اور ان کی تمام سعی و کوشش اور اعمال مقبول عنداللہ ہونگے۔ پروردگارِ عالم نے اُمید افزاء تسلی فراہم کی:

﴿مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ

عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ﴾(٥٦)

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل کئے پس ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے سو ان کو کوئی خوف وغم نہ ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ کا عام قاعدہ وقانون ہے کہ جو اس کی ربوبیت اور الوہیت کو تسلیم کرے گا اور شرک سے مجتنب رہے گا، یومِ آخر قیامت پر ایمان لائے گا اور اعمالِ صالحہ سرانجام دے گا، اطاعت گزاری کی روش اپنائے گا تو اسے عذابِ قیامت کا کوئی خوف اور دنیوی لذتوں اور نعمتوں کے ضائع ہونے کا حزن وملال نہ ہوگا۔ ان کے اعمالِ صالحہ کے بدلے ان کا پروردگار ان کو پاکیزہ حیاتِ دنیوی سے نوازتا ہے۔ جو مختلف راحتوں مثلاً پاکیزہ رزقِ حلال، خوش نصیبی، طمانیتِ قلب، آرام وسکون، رضائے الٰہی اور قناعت پر مشتمل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حیاتِ اُخروی میں درجاتِ اکرام سے نوازا جائے گا اور تذکیر وتانیث کی کوئی تفریق نہ ہوگی۔ البتہ اعمالِ صالحہ جو کتاب اللہ اور سنّت رسول ﷺ کے مطابق ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انعاماتِ ابدی کی صورت میں جزا وثوابِ ابدی کا باعث بنیں گے اور وہ لوگ درجاتِ عالیہ پر فائز کیے جائیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادات مبارکہ ہیں:

"قد أفلح من أسلم، ورزق كفافاً و قنّعهُ الله بما آتاه"(٥٧)

(وہ شخص مراد کو پہنچا جو اسلام لے آیا اور ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اس کو جو عطا کیا اس پر قناعت دی)۔

"إن الله لا يظلم مؤمناً حسنةً، يعطي بهافي الدّنيا، و يجزى بها في الآخرة و أما الكافر فيطعم بحسنات ما عمل بها الله في الدّنيا، حتّىٰ إذا أفضىٰ إلى الآخرة، لم تكن له حسنة يجزىٰ بها"(٥٨)

''بے شک اللہ کسی مومن پر ایک نیکی کے لئے بھی ظلم نہ کرے گا اس کا بدلہ دنیا میں دے گا اور آخرت میں بھی، اور کافر کو اس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں دیا جاتا ہے حتی کہ وہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی''۔

"فى الجنة مائة درجة ما بين كل درجتين كما بين السّماء والأرض، والفردوس، أعلاها درجة و منها تفجر أنهار الجنة الأربعة و من فوقها يكون العرش، فإذا سألتم الله فاسألوه الفردوس"(٥٩)

''جنت کے سو درجے ہیں دونوں درجوں کے درمیان آسمان وزمیں جتنا فاصلہ ہے۔اور فردوس اعلیٰ ترین درجہ ہے اور اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے پس تم جب بھی اللہ سے مانگو تو اس سے فردوس مانگو''۔

"لیس لابن آدم حق في سوی هذه الخصال: بیت یسکنه، و ثوب یواری عورته، و جلف الخبز و الماءِ"(۶۰)

''ابن آدم کے لئے ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں۔رہنے کیلئے گھر، ستر چھپانے کے لئے کپڑا، اور بغیر سالن کے روٹی اور پانی''۔

شخصیت کے کرداری جزو میں مختلف فطری صلاحیتوں، ذہنی وفکری قوتوں کی بنیاد پر مختلف ہنر، پیشے اور فنون بھی عالم وجود میں آتے ہیں۔ جو ان صلاحیتوں کی بناء پر انسان کی سعی وکوشش اور عمل کا ہی دوسرا نام ہیں۔ اس فنِ معاملات یا حکمتِ اکتسابیہ سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے تحصیل معاش کرے اور اس میں رفاہیت اور خوشحالی کے ساتھ ساتھ لطافت، زیبائش اور خوش اسلوبی کو ملحوظ رکھے۔ خداداد قابلیتوں اور صلاحیتوں کو اس انداز میں روبہ عمل لایا جائے جو جملہ ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کر سکے۔اس تناظر میں بھی دینِ اسلام حکمتِ اکتساب کے اصول مرحمت فرماتا ہے اور سب سے پہلے یہ احساس دلاتا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾(۶۱)

''اور اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے''۔

مختلف سرگرمیوں کی انجام دہی کیلئے فنی و پیشہ ورانہ مہارتوں اور علمی آگاہی کی ضرورت ہوتی ہے۔لیکن اس ضمن میں حلال اور حرام کے پہلوؤں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ محنت کی عظمت کو اجاگر کیا گیا اور اکتسابِ معاش کی کسی سرگرمی کو حقیر اور کم تر خیال نہیں کیا گیا۔ اِلاّ یہ کہ وہ حرام ذرائع میں سے نہ ہو۔ نہ ہی دینِ اسلام انسانی قابلیت اور صلاحیتوں کے فروغ کو طبقاتیت میں منقسم کرتے ہوئے کوئی اجارہ داری یا تخصص کو تحریک دیتا ہے۔اس کی بجائے فطری اِستعداد کے مطابق اپنی ضرورت کی تکمیل کیلئے ہر انسان کیلئے اس حق کو عام اور کھلا رکھا گیا مگر یہ وضاحت ضروری ہے کہ تذلیل وتحقیر آمیز رویے اختیار نہ کیے جائیں۔ رزق کی تنگی اور فراخی من جانب اللہ تو ضرور ہے لیکن باوقار عمل کے ذریعے اِکتسابِ رزق کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔ تا کہ حرام ذرائع میں ملوث ہو کر انسان اپنے لیے مواخذہ اور پرسش کو لازم نہ کر بیٹھے۔اس موقعہ پر دینی رہنمائی اور اُصول وضوابط کی علم و

آگہی کی اہمیت مسلمہ ہے تاکہ انسان اپنی شخصیت کی نشو و ارتقاء کے حوالے سے کسی غلط راستے پر چل کر اعمال سیئہ کی وجہ سے گمراہ نہ ہو جائے۔

حوالہ جات

۱۔ LestieK Gerald, Gorman, Introductory Sociology, P:144; Horton, Paul B., Sociology, pp88-89; Zanden, The Social Experience- An Introduction to Sociology, p:140.

۲۔ Robertson, Sociology, p:115

۳۔ الملک ۶۷:۱۴

۴۔ التفسیر الوسیط، ۳/۲۰۰۷ء۔

۵۔ تفسیر البیضاوی، ۵/۲۳۰

۶۔ آل عمران ۳:۱۷۹

۷۔ ابراہیم ۱۴:۱۰

۸۔ یونس ۱۰:۳۱

۹۔ الحدید ۵۷:۸

۱۰۔ اسلامی نظریہ حیات، ص ۱۳۵

۱۱۔ البقرۃ ۲:۲۵۵ ﴿اللّٰهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾

۱۲۔ الانعام ۶:۵۴ ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾؛ وصحیح مسلم، قال: "قال الله عزّ وجلّ: سبقت رحمتي غضبي"

كتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله، رقم الحديث:، ص:۱۱۹۲-۱۱۹۳

۱۳۔ قٓ ۵۰:۱۶ ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾

۱۴۔ الاحزاب ۳۳:۲۱

۱۵۔ الملک ۶۷:۲

۱۶۔ التفسیر الوسیط،۳/۲۶۹۷

۱۷۔ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان الايمان ، رقم الحديث:۹۳، ص:۲۴-۲۵؛ و رقم الحديث:۹۵، ص:۲۵؛

صحيح بخاری، كتاب الايمان ، باب سؤال جبرائيل، رقم الحديث:۳۷، ص۱۲؛

سنن ابن ماجة ، ابو عبدالله، محمد بن يزيد، القزويني، سنن ابن ماجة [الرياض: مكتبة دارالسّلام، الطبعة الأولیٰ، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹م] كتاب السنّة، باب فی الايمان، رقم الحديث:۶۳-۶۴، ص۱۰۔

۱۸۔ صحيح مسلم، كتاب الايمان ، با ب الدليل علی، رقم الحديث:۱۴۴، ص۳۶

۱۹۔ صحيح مسلم، حواله ايضاً، رقم الحديث:۱۵۱، ص۳۸

۲۰۔ سنن ابن ما جه ، كتاب السنّة، باب فی الايمان، رقم الحديث۶۵،،ص:۱۱

۲۱۔ نجاتی، محمد عثمان، ڈاکٹر، الحديث و علم النفس ، مترجم: فهيم اختر ندوی [لاهور: الفيصل ناشران كتب، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء آٹھویں فصل] ص۲۷۴

۲۲۔ صحيح بخاری، كتاب الايمان ، باب دعاؤكم ايمانكم، رقم الحديث:۸، ص:۵؛ و صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اركان، رقم الحديث:۱۱۳، ص۲۹

۲۳۔ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان الايمان ، رقم الحديث:۹۳، ص۲۴-۲۵

۲۴۔ نجاتی، محمد عثمان، ڈاکٹر، القرآن و علم النفس [بيروت : مطبوعه دارالشروق، ۱۹۸۷م] ص۱۰۶

۲۵۔ لسان العرب ،بذيل ماده عبد، ۳/۲۷۱؛ و ايضاً ۳/۲۷۳

۲۶۔ (إن العبادة عبارة عن نهاية التعظيم و هی لا تليق إلا بمن صدر عنه غاية الإنعام)

الرازی، فخر الدين محمد بن عمر ، الإمام(م:۶۰۴ھ) التفسيرالكبير أو مفاتيح الغيب [بيروت(لبنان): دارالكتب العلمية، الطبعة الثانية، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴م] ۲/۱۹۶؛

(العبادة تذلل للغير عن اختيارلغاية تعظيمه فخرج التسخير و السخر و القيام والإنحناء لنوع تعظيم) المهائمی، مخدوم علی، تفسير تبصير الرحمن و تيسير المنان بعض ما يشيرإلى اعجاز القرآن [مصر، طبع بولاق]١/٢٤ ؛ و (العبادة فی اللغة من الذلة يقال طريق معبد و بعير معبد أي و مذلل و في الشرع عبارة عما يجمع كمال المحبة وا لخضوع و الخوف) تفسير القرآن العظيم، ١/٤٨

۲۷۔ ابن تيمية، تقی الدين احمد، العبودية [دمشق: المكتب الإسلامی ، ١٣٨٢ھ] ص:٢-٥، ملخصا

۲۸۔ ولی الله، شاه ،دهلوی، البدور البازغة ، ص:٢٩٦-٢٩٧

۲۹۔ البقرة ١٣٨:٢ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾

۳۰۔ المائدة ٤٨:٥

۳۱۔ Mohammad Hamidualh, Dr., Introduction to Islam [Lahore: Sh. Muhammad Ashraf Publishers, 5th Edition, 1983] P:178

۳۲۔ Knuttila, Kenneth, Murray, Introducing Sociology: A Critical Perspective, [Canada: Oxford University Press, 2nd edition, 2002] P:65

۳۳۔ النجم ۵۳:۳۹-۴۰

۳۴۔ تفسیر البیضاوی ۱۶۱:۵

۳۵۔ التفسیر الوسیط،۲۵۳۳/۳؛ الانعام۱۶۲:۶ ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

۳۶۔ اللیل ۹۲:۴

۳۷۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن [راولپنڈی: سروسز بک کلب، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء]، ۷۶۰/۸۔

۳۸۔ شریعت وطریقت، ص۱۹۴

۳۹۔ الکہف ۱۸:۱۰۴-۱۰۵۔

۴۰۔ معارف القرآن [راولپنڈی: سروسز بک کلب، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء] ۶۵۸/۵

۴۱۔ الجامع لأحکام القرآن، ۶۱/۶-۶۲

۴۲۔ التفسیر الوسیط ۲/۱۴۵۴-۱۴۵۵
۴۳۔ التفسیر الوسیط ،۲/۱۴۵۴-۱۴۵۵
۴۴۔ بنی اسرائیل ۱۹:۱۷
۴۵۔ تفسیر البیضاوی،۳/۲۵۱
۴۶۔ بنی اسرائیل ۸۴:۱۷
۴۷۔ تفسیر البیضاوی،۳/۲۶۵
۴۸۔ الجامع لأحکام القرآن،۵/۶۵۰
۴۹۔ الجصاص، ابوبکر، احمد بن علی، أحکام القرآن [(ضبط نصه وخرج آیاته: عبدالسلام محمد علی شاہین) بیروت(لبنان): دارالکتب العلمیۃ، س ن]،۳/۲۶۹
۵۰۔ ال عمران ۱۹۵:۳
۵۱۔ الأنبیاء ۵۴:۲۱
۵۲۔ المؤمن ۴۰:۴۰
۵۳۔ الجاثیۃ ۱۵:۴۵
۵۴۔ الاحقاف ۱۹:۴۶
۵۵۔ الدھر ۲۲:۷۶
۵۶۔ البقرۃ ۶۲:۲ ؛ المائدۃ ۶۹:۵ ؛ النحل ۹۷:۱۶ الکھف ۸۸:۱۸؛ طٰہٰ ۷۵:۲۰
۵۷۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی الکفاف والقناعۃ، رقم الحدیث:۲۴۲۶،ص:۴۲۴؛ و سنن الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی الکفاف، رقم الحدیث: ۲۳۴۸،ص:۵۳۷ پر حدیث مبارکہ کو ان الفاظ"قد أفلح من أسلم، ورزق کفافاً وقنّعهُ اللّٰه" (حدیث حسن صحیح) سے روایت کیا گیا ہے۔
۵۸۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب جزاء المومن، رقم الحدیث:۷۰۸۹،ص:۱۲۲۲
۵۹ سنن الترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء فی صفۃ درجات، رقم الحدیث:۲۵۳۱،ص:۵۷۵
۶۰۔ سنن الترمذی، ابواب الزھد، باب منه الخصال، رقم الحدیث:۲۳۴۱،ص:۵۳۵